مولانا محمد حنیف ندویؒ

عظیم خطیب اور عظیم مجاہد

شاہ جی کے انتقال سے ملک ایک سحر طراز خطیب اور شیوا بیان مقرر سے محروم ہوگیا ہے۔ بہ حیثیت فن کے خطابت اور تقریروں کا چونکہ ایک خاص موسم ہوتا ہے جو اپنی تمام بہار آفرینیوں کے ساتھ گزر چکا، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ مستقبل بعید میں بھی کسی ایسے شعلہ مقال خطیب کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی تو اس میں قطعی مبالغہ و غلو کی آمیزش پائی نہیں جاتی۔

وہ عظیم شخص جس کی مؤثر اور دلاویز تقریروں سے آج سے پچیس تیس سال پہلے پورا ہندوستان گونج رہا تھا، آہ! آج آسودۂ لحد ہے۔ اب وہ بلبلِ ہزار داستان، جس کی چہک سے چمن زارِ وطن کا پتا پتا اور بُوٹا بُوٹا گویا تھا، آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ہے۔

جن لوگوں نے شاہ جی کی تقریروں اور خطبوں سے براہ راست استفادہ نہیں کیا، ان کے سامنے ان کے خطیبانہ کمالات کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے۔ ہاں۔! اگر دریا کی روانی کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ پھولوں کی نزاکت اور مہک سے آپ آشنا ہیں۔ آگ کے شعلوں کو آپ نے دیکھا ہے اور کسی ایسے فن کار کو سنا ہے جو نغموں کے ساتھ ساتھ اثر و سحر اور کیف و وجد کی کیفیات کو بھی سامعین کے دلوں میں اتار سکتا ہو، تو آپ کو شاہ جی کی جامعیت تقریر کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ مگر ٹھہریے۔! ابھی نقشے کے تمام رخ آپ کے سامنے نہیں آ پائے۔ شاہ جی کی تقریروں میں شیر کی گرج، شاعر کے احساسات اور صوفی و عارف کے اخلاص و سرمستیوں کو بھی شامل کیجئے، جب کہیں جا کر ان کی خطیبانہ خصوصیات فہم و فکر کی گرفت میں آسکیں گی۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ شاہ جی کی موت پر قریب قریب ہر حلقے نے اظہار افسوس کیا ہے، اور ان کی خدمات کے پیش نظر ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ مگر افسوس ہے اس سلسلے میں ان کے سیاسی افکار و معتقدات کی ایک غلط بحث خواہ مخواہ چھڑ گئی ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ نہیں کہ ان کا تعلق ماضی میں کس سیاسی جماعت سے رہا ہے اور اپنی معاصر سیاسی جماعتوں کے بارے میں انہوں نے کس موقف کو اپنے لیے پسند کیا ہے، اسکے برعکس دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ شروع سے زندگی کا جو نقشہ انہوں نے تجویز کیا، کیا سرمو اس سے منحرف ہوئے؟ اور جن خیالات و تصورات کو انہوں نے اپنایا، ان کی پوری پوری قیمت ادا کی یا نہیں؟ اس سے بھی زیادہ جو چیز انکی شخصیت کو نکھارنے والی ہے، وہ ان کی بے نظیر جرأت و بے باکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس جگرداری کے ساتھ انہوں نے انگریز سے ٹکر لی ہے، جس بہادری اور حوصلہ مندی کے ساتھ انہوں نے قید و بند کی سختیوں کو جھیلا ہے، اس کی کوئی مثال انکے حریفوں میں تلاش کی جا سکتی ہے؟

شاہ جی کی عظمت کا راز انکی عزیمت میں ہے، ان کے ایثار میں ہے، ان کی درویشی و فقر میں ہے، ان کے غنا اور بے نیازی میں ہے، ملک سے وفاشعاری میں ہے اور راہ و رسم دوستی کی استواریوں میں ہے۔

ان پر زبان اعتراض دراز کرنے والے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کیا اس متاع گراں مایہ کے کسی حصے کو بھی ان کے دامن کردار نے سمیٹا ہے؟ ان میں یہ جتنی خوبیاں مبدأ فیاض کی طرف سے جمع ہو گئی تھیں، ان میں ان کی ایک ایک خوبی ایسی ہے کہ جو کسی شخص کے کردار و سیرت کو چمکا دینے کے لیے کافی ہے۔

شاہ جی اپنی ان خداداد قابلیتوں کے بل پر اگر پیری مریدی کا کاروبار اختیار کرتے تو لاکھوں ہاتھ بیعت کے لیے آگے بڑھتے اور اگر اس محبوبیت و شخصیت سے کوئی مالی فائدہ اٹھانا چاہتے تو سیم و زر کی فراوانیاں ان کا خیر مقدم کرتیں۔ دنیا جانتی ہے کہ شاہ جی نے یہ دونوں کام نہیں کیے۔ کیا یہی ایک چیز انکی عظمت کے لیے کافی نہیں؟

ایک اور پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ آزادی و حریت کی روشنی کسی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتی ہے یا تخت و اورنگ کی بزم آرائیاں تنہا کسی ایک ہی شخص یا جماعت کی کوششوں کی رہین منت ہوتی ہیں۔ روشنی کئی دروازوں سے صحن تک آتی ہے اور تخت و اورنگ کی بزم آرائیوں کے پیچھے کئی تاریخی عوامل ہوتے ہیں، جو کارفرما ہوتے ہیں۔

اگر واقعات عالم و تاریخ کا یہ تجزیہ صحیح ہے تو پھر حصول پاکستان کی کامرانیوں کا انتساب ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں کی طرف ہو گا، جنہوں نے براہ راست یا بالواسطہ انگریزی استعمار کو ختم کرنے کی کوششیں کی ہیں، یا ہندو کی اجارہ دارانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے۔

ترتیب اشیا کو اگر اس انداز سے دیکھئے تو حصول پاکستان کے ضمن میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا حصہ کسی طرح بھی کم اہم نظر نہیں آئے گا، اس لیے کہ انہوں نے اس وقت انگریز کے قلعۂ اقتدار میں شگاف ڈالے، جب اسکے خلاف لب کشائی کی جرأت کرنا آسان نہیں تھا۔ اس وقت سلطان جابر کے سامنے آزادی و حریت کا کلمہ بلند کیا، جب اس کے حملے میں طوق و سلاسل کی گراں باریوں کو انگیز کرنا لازمی تھا۔ شاہ جی کی سیاسی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ انہوں نے تحریک ہجرت کا آغاز کیا، خلافت میں جان ڈالی اور ہر اس سیاسی محاذ پر داد شجاعت دی، جس سے انگریز کے پندار استعمار کو گزند پہنچ سکتا تھا۔

توحید کی پُرجوش اشاعت اور سنت کی ترویج میں جس والہانہ انداز سے انہوں نے حصہ لیا، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عشق رسول کی نزاکتوں اور توحید کے اسرار و رموز کو اس کامیابی سے بیان کرتے تھے، جو کہ صرف انہی کا حصہ تھا۔

اردو بولتے تو معلوم ہوتا تھا کہ غالب اور داغ نے شاعری کو چھوڑ کر خطابت اختیار کر لی ہے اور پنجابی میں تقریر کرتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ چناب اور راوی نے اپنی روانیاں انہیں بخش دی ہیں۔

آہ! آج ہم ایسی جامع صفات شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ ("الاعتصام" لاہور ۸ ستمبر ۱۹۶۱ء)